افکار و آرا

۱۴۰ سال پہلے تحریک ولی اللّٰہی مدراس میں

مدراس یونیورسٹی کے شعبۂ عربی و فارسی و اردو کے ریڈر جناب محمد یوسف کوکن عمری نے جنوبی ہند کے ایک مشہور و معروف علمی و دینی خاندان "خانوادہ قاضی بدرالدولہ" کا تذکرہ مرتب کیا ہے۔ اس خاندان کے آباؤ اجداد نویں صدی ہجری میں بصرے سے آئے تھے۔ اور شروع سے لیکر اب تک برابر اس خاندان میں بڑے بڑے اہل علم و قلم پیدا ہوتے رہے ہیں۔ دورِ آخر میں قاضی بدرالدولہ جن کا سن وفات ۱۲۸۰ھ ہے، اس تاریخی خاندان کے مشہور فرد تھے۔ کتاب میں ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔

اتفاق سے انہی دنوں مجھے پروفیسر محمد یوسف صاحب کی اس تصنیف کو پڑھنے کا موقع ملا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے کوئی ۱۳۸ سال قبل تحریک ولی اللہی کی صدائے بازگشت برصغیر پاک و ہند کے اس دور دراز کونے تک بھی پہنچی تھی۔ جس کا ردعمل بعض لحاظ سے تو اچھا ہوا۔ اور افسوس ہے کہ اس کے بعض پہلو ناخوشگواری کا موجب بنے میں اس بارے میں کتاب مذکور سے کچھ اقتباسات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

بارہویں صدی ہجری کے اواخر سے تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک جزیرہ عرب میں "وہابیوں" اور عثمانی سلطنت کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں، مصنف لکھتے ہیں کہ مدراس کے لوگ ان سے ناآشنا نہیں تھے۔ نواب کرناٹک کے شریف مکہ کے ساتھ بڑے گہرے روابط تھے اور دونوں ایک دوسرے کو خطوط لکھا کرتے تھے، اس طرح مصنف کے الفاظ میں "وہابی تحریک اور ان کے ساتھ لڑائیوں کی خبریں

برابر مدراس پہنچ رہی تھیں۔ ان کے عقائد و خیالات سے یہاں کے علماء کو سخت اختلاف تھا۔ مولوی باقر آگاہؒ نے فارسی میں "وہابیت" کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ "وہابیت" اور "وہابیوں" کے مختصر تذکرہ کے بعد پروفیسر محمد یوسف لکھتے ہیں:۔

"ایک طرف عربستان میں یہ حالات پیش آرہے تھے، تو دوسری طرف ہندوستان میں ایک نئی تحریکِ جہاد شروع ہوئی، جس کو لوگوں نے غلطی سے تحریک وہابیت کا نتیجہ سمجھا، حالانکہ اس کو وہابیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا چونکہ دعوت ولی اللہی میں دونوں گروہوں کا طریقۂ فکر ایک طرح کا تھا۔ اور دوسرے یہ کہ سید احمد مجاہد بریلوی، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحئی نے ۱۲۳۸ھ میں حج بیت اللہ ادا کیا تھا۔ اس لئے ہندوستان کے عام علماء نے ان لوگوں کو وہابیت سے متاثر سمجھ کر اس نئی تحریکِ جہاد کی جو درحقیقت انگریزوں اور سکھوں کے خلاف قائم کی تھی، مخالفت شروع کر لی تھی" اس کے بعد مصنف شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید اور تحریک ولی اللہی کے بعض دوسرے بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے اتباعِ کتاب و سنت اور توحیدِ خالص کی تائید میں کئی کتابیں لکھی تھی، جن میں سے تنویر العینین صراط مستقیم اور تقویت الایمان بہت مشہور ہیں۔ علم تصوف کے متعلق عبقات کے نام سے ایک مشہور کتاب لکھی ہے۔ ان کی یہ تمام کتابیں بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی تھیں۔ ان کی زندگی میں یہ کتابیں مدراس پہنچ چکی تھیں۔"

شاہ اسمٰعیل شہید کی ان کتابوں کے علاوہ اس زمانے میں اس تحریک کے ایک مبلغ بھی مدراس پہنچے، ان کا ذکر اب مصنف کی زبان سے ملاحظہ ہو۔

"سید صاحب (سید احمد شہید) کے خلفاء میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کے علاوہ دو شخص ایسے تھے کہ جن کو اللہ تعالےٰ نے غیر معمولی علم و فضل کے ساتھ طلاقت لسانی کی نعمت سے بھی سرافراز کیا تھا۔ یہ دونوں شخص مولانا عبدالحی داماد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور سید محمد علی واعظ رامپوری تھے۔ ان کے مواعظ اتنے دلچسپ، دل کش اور ایمان افروز ہوتے تھے کہ لوگ خود بخود ان کی طرف کھنچ کر

چلے آتے تھے۔ اور پھر ان کے ہاتھوں پر اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتے تھے۔"

اس کے بعد مصنف نے سید محمد علی واعظ رامپوری کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"وہ ماہ محرم ۱۲۴۵ھ کی ابتدا میں مدراس تشریف لائے۔ ۱۸ محرم کو نواب عظیم جاہ سے ملاقات کی نواب صاحب نے ان کے لئے کھانے وغیرہ کے سات توڑے بھیجے۔ انہوں نے چند دن تک مدرسۂ کلاں مدراس میں جس کو نواب محمد علی والا جاہ نے قائم کیا تھا، سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد جام بازار ٹرپلیکین مدراس کے سامنے اس گھر میں مقیم ہوئے، جہاں آج مسجد امیر النساء بیگم بنی ہوئی ہے۔[۵] ان کے ایک دو وعظ ہونے تھے کہ ہر طرف سے انہیں وعظ کہنے کے لئے مدعو کیا جانے لگا۔ وہ ہر جگہ نئے انداز سے اتباعِ کتاب و سنت اور ردِّ شرک و بدعت پر وعظ کہتے جا رہے تھے۔ بیشمار آدمی ان کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ اور اختتام پر ان سے ملاقات کرتے تھے۔ اور بعض ان کے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔"

مدراس میں سید محمد علی واعظ رامپوری کے ان مواعظ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ مصنف لکھتے ہیں:"امراءِ عمائدینِ شہر رقص و سرود اور لہو و لعب کی محفلوں میں سرمست تھے۔ ان لوگوں نے ان کی شہرت سنی تو محض آزمانے کی خاطر ان کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے وعظ کا ان پر اتنا اثر ہوتا تھا کہ وہ خود بخود اُن کے پاس پہنچ کر ان کے مرید ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سید جواہر حسین خاں قلعدار دیلور نے ان کے ہاتھ پر توبہ کر لی۔ کئی گویوں اور سازندوں نے اپنا پیشہ ترک کر دیا۔ مدراس کے محلہ چنتادری پیٹ میں شیخ علی نامی ایک نعل بند رہتا تھا۔ وہ شراب کا بڑا عادی تھا۔ جب اس نے سید موصوف کا وعظ سنا تو خدمت میں حاضر ہو کر اس شرط پر بیعت کر لی کہ اسے شراب پینے کی اجازت ہو گی، مگر بیعت کے بعد

---

[۵] - یہ مسجد ۱۲۵۳ھ میں بنی تھی۔ کسی نے اس کی ایک دلچسپ تاریخ لکھی تھی۔

امیر النساء مسجدِ خوب ساخت — بہ منزل گہ آں مبارک ولی

بگفتا خرد بہرِ تاریخ آں — فیوضِ قدومِ محمد علی

اس نے خود ہی شراب چھوڑ دی۔"

اور تو اور سید محمد علی کے وعظوں کا ہندوؤں پر بھی اثر ہونے لگا۔ چنانچہ اس ضمن میں مصنف لکھتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ راجہ ٹیکم چند بہادر[1] ان کی مجلس وعظ میں شریک تھے اور جب سید صاحب کی تقریر بہت زوروں سے ہونے لگی، تو انہوں نے اپنے کان بند کر لئے۔ انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا دین اسلام کی خوبیاں ان کے کانوں سے ان کے دل و دماغ میں اترتی جا رہی ہیں۔"

آپ کا وعظ و ارشاد کا یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں اس کے جو اثرات ہوئے، ان کا ایک اجمالی خاکہ پروفیسر محمد یوسف کے الفاظ میں سنئے۔

'مدراس میں خان عالم خاں فاروق کی ایک نمایاں حیثیت تھی۔ وہ مشہور امیر جان جہاں خاں بہادر کے فرزند اور نواب غلام اعزالدین خاں بہادر مستقیم جنگ نامی المتوفی ۱۲۴۰ھ کے داماد تھے، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو کے بہترین شاعر تھے۔ فاروق تخلص کیا کرتے تھے۔ نامی اور ظفری سے اصلاح لی تھی اس کے ساتھ ساتھ موسیقی کے شیفتہ اور دلدادہ تھے۔ اس فن میں پوری مہارت پیدا کی تھی۔ ہزاروں روپے کے خرچ سے بہترین سے بہترین آلات موسیقی جمع کئے تھے۔ دوستوں کا ایک بہت وسیع حلقہ تھا۔ رقص و سرود کی مجلسیں قائم ہوتیں .... ابتدا میں فاروق نے سید محمد علی کو ایک سالوسی پیر سمجھا، مگر جب ایک مرتبہ ان کے وعظ کو سننے کا موقع نصیب ہوا، تو اچانک ان کے دل و دماغ کی تمام کھڑکیاں کھل گئیں .... انہوں نے فوراً سید محمد علی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور گھر پہنچ کر آلات موسیقی توڑنے لگے۔ خان عالم خاں کے دونوں لڑکوں اور دونوں لڑکیوں نے بھی جن میں سے ایک بعد میں نواب عظیم جاہ سے بیاہی گئی تھی۔ سید موصوف کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ فاروق کی سوتیلی والدہ بھی ان کی مرید ہو گئیں۔

اس واقعہ کے بعد سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ سید محمد علی جس کسی محفل میں پہنچ جاتے تھے، فوراً

---

[1] یہ دربار والا جاہی میں منشی کی خدمت پر مامور تھے۔

رقص و سرود بند کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز کے وقت نواب عظیم جاہ کی قیام گاہ پر پہنچے، تو ان کے تمام ساتھی بکھر گئے۔ اور نواب صاحب نے دست بستہ سید صاحب کا استقبال کیا، وہ کچھ دیر تک بیٹھ کر نصیحت آمیز گفتگو کرتے رہے۔ اور اس کے بعد وہاں سے چلے گئے۔

مدراس میں ولی اللہی تحریک کی یہ دعوت بتدریج پھیلتی گئی اور اس کا دائرہ برابر وسیع ہوتا گیا، یہاں تک کے مصنف کے الفاظ ہیں :۔ "مدراس کی بہت سی مستورات نے بھی سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ان میں نواب محمد علی والا جاہ مرحوم کی وہ بیوی بھی تھی، جو محمد اسمٰعیل شیر جنگ کی والدہ تھیں۔ الغرض سید صاحب کی بدولت مدراس، ارکاٹ، ویلور اور دوسرے مقامات کے بہت سے لوگ غیر شرعی امور سے تائب ہو کر ان کے مرید ہو گئے تھے۔ اس وقت کسی کو بھی وہم و گمان نہیں تھا کہ وہ وہابیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔"

سید محمد علی واعظ رامپوری کی اس دعوت کا اثر اتنا بڑھا کہ مصنف لکھتے ہیں

"نواب عظیم جاہ نے ان کی اتنی عزت اور قدر کی تھی کہ جب وہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو مدراس سے کلکتہ روانہ ہونے لگے تو نواب موصوف نے انہیں دو ہزار روپیہ اور ایک عمدہ خلعت بھی عنایت کی تھی۔"

قاضی بدرالدولہ کے بڑے بھائی مولوی عبدالوہاب مدارالامراء نے اسی تاریخ کے تحت اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے۔

"مولوی میر محمد علی واعظ کہ عذب البیان وے بسیار از مردم ہدایت یافتند روانہ کلکتہ شدند۔ دو ہزار روپیہ و خلاع از سرکار عنایت شد۔"

بدقسمتی سے تحریک ولی اللہی کی یہ ہر دلعزیزی اور اس کا اثر و رسوخ دیرپا ثابت نہ ہوا، اور اس کے خلاف وہ طوفان اٹھا کہ ۱۲۷۱ھ میں جب خاں عالم خاں کا انتقال ہوا، تو چونکہ وہ آخر وقت تک اپنے مسلک پر قائم رہے تھے، تو سوائے ان کے خاص دوستوں اور رشتہ داروں کے کوئی شخص بھی ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوا، اور کسی نے ان کے متعلق حسب ذیل تاریخ لکھی۔

بردابلیس از رہِ تلبیس دین وایماں خاں عالم خاں

مصنف کتاب نے یہ سارے واقعات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں۔ اور اس سلسلے میں جو فتوے دیئے گئے اور عوام کو جس طرح مشتعل کیا گیا۔ اس ساری داستان کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ جب ۱۲۵۱ھ میں سید محمد علی واپس مدراس آئے، تو ان کے بارے میں شہر مدراس کے چیف مجسٹریٹ کے پاس پہنچکر اسے یہ سمجھایا گیا کہ سید محمد علی کی طرف سے شہر میں دنگے اور فساد کا خطرہ لگا ہوا ہے، بہتر ہے کہ انہیں مدراس سے روانہ کردیا جائے۔ چنانچہ انہیں مدراس سے چلے جانے کے احکام دیئے گئے۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ پروفیسر محمد یوسف مصنفِ کتاب ہی کے الفاظ میں سنیئے۔

حضرت سید احمد مجاہد شہید اور حضرت اسمٰعیل شہید اور ان کے دوسرے رفقاء نے ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ بالاکوٹ پنجاب کے معرکے میں شہادت پائی۔ تو قصداً ہر جگہ ان کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جانے لگیں۔ کبھی تو یہ کہا جانے لگا کہ یہ سب مجاہدین درحقیقت محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہیں اور کبھی یہ الزام دیا جاتا تھا کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور دیگر انبیاء و اولیا کی حیثیت کو گھٹا دیتے ہیں کہ نعوذ باللہ عام آدمیوں بلکہ جانوروں سے بھی کم تر قرار دیتے ہیں۔ اُن کے اِن خیالات کے ثبوت میں عام علمائے مقلدین حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان، مولوی ولایت علی عظیم آبادی کی ردِ شرک اور مولوی خرم علی بلہوری کی نصیحت سے عبارتیں پیش کررہے تھے۔ زیادہ تر اعتراض تقویۃ الایمان پر تھا۔ جس کی بعض عبارتیں تنقیص شان نبوی کی مُوہم تھیں۔"

اس پراتنی شورش برپا ہوئی اور اس نے ایک ایسے زبردست فتنے کی شکل اختیار کرلی کہ باوجود اس کے کہ سید محمد علی نے ۱۲۵۱ھ کی مسجد والاجاہی مدراس میں اپنے عقائد کا اعلان کیا۔ نیز وہابی عقائد و خیالات سے برأت کی، لیکن ان کی مخالفت کم نہ ہوئی، اور ان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مولوی اسمٰعیل اور مولوی ولایت علی وغیرہ کے صریح کفر کا اعلان کریں، جس کے لئے وہ ہرگز آمادہ نہیں تھے چنانچہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہی نواب عظیم جاہ جو پہلے سید محمد علی کے عقیدت مند تھے، انہوں

نے اعلان کیا کہ جو کوئی سید محمد علی واعظ رامپوری کی ارادت اور بیعت سے توبہ نہ کرے، اس کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا جائے گا۔

اس پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ تین دن بعد ۱۱ ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ کو سید واعظ موصوف کے کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ اور ان کو واجب القتل قرار دیا گیا۔۔۔۔ اور چونکہ نواب صاحب کو کسی کے قتل کرنے کے اختیارات نہیں تھے، اس لئے مجبور ہو کر ایک دوسرا اشتہار نامہ لکھا گیا۔

ان واقعات کی ابھی اور تفصیل ہے جو مصنف نے اس کتاب میں دی ہے۔ لیکن میں ان اقتباسات کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ یہ افسوس ناک واقعات ہم سب کے لئے عبرت کا سامان ہوں گے، اور ہم سب اس سے سبق لیں گے۔ ایک اصلاحی دینی تحریک جسے شروع میں عوام نے کس طرح لبیک کہا، اور اس سے عملاً کتنے اچھے نتائج نکلے آگے چل کر اس نے کیا صورت اختیار کر لی اور عوام اس سے کس قدر برافروختہ ہو گئے، یا برافروختہ کر دیئے گئے، اس پر اس تحریک کے حامیوں اور جو اس سے متفق نہیں دونوں کو آج کے حالات میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے، اور خود مصنف نے بھی ان بحثوں کے متعلق یہی لکھا ہے۔

"ان مسائل میں علماء کے خیالات کبھی متفق نہیں رہے ہیں۔ نقطۂ نظر کا ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان بحثوں کو پڑھ کر اپنے لئے عمدہ ہدایت کی راہ پیدا کریں۔"

ضیاء

ایک استفسار

تاریخی اور بڑی شخصیتوں کو ماننے والے عام طور سے دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ کسی بڑی شخصیت کو بغیر کسی علمی واسطے کے از خود اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اس میں وہ تمام تر اپنی ذاتی رائے کو ذریعہ بناتا ہے۔ چنانچہ یہ طبقہ اس شخصیت کے افکار و نظریات کی اپنی سمجھ اور مزاج کے مطابق توجیہہ کرتا ہے، اور اسے اس قالب میں ڈھالتا ہے جو اس کو مرغوب ہوتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اور وہ بڑی شخصیت تاریخی لحاظ سے دور ہوتی جاتی ہے، اس کے افکار و نظریات میں تغیر و تبدل ہوتا چلا جاتا